www.rahimia.org

شریعت، طریقت اور اجتماعیت پر مبنی دینی شعور کا نقیب

ماہنامہ رحیمیہ لاہور

بانی: حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ
مسند نشین رابع خانقاہ عالیہ رحیمیہ رائے پور

مدیر اعلیٰ: حضرت اقدس مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری
جانشین حضرت اقدس رائے پوری رابعؒ

مجلس ادارت
سرپرست: ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن
صدر: مفتی عبدالمتین نعمانی
مدیر: محمد عباس شاد

جنوری 2017ء / ربیع الثانی 1438ھ جلد نمبر 9، شمارہ نمبر 1 - قیمت: 20 روپے سالانہ ممبرشپ: 200 روپے - تین سالہ ممبرشپ: 500 روپے

حُسنِ ترتیب

- انسانیت کے دشمن سے اللہ کی پناہ
- یتیموں کی نگہداشت کا اَجر
- پُرانے بندوبست کی واپسی
- عوام، تبدیلی اور مسائل
- عالم گیر نظام کا لازمی تقاضا؛ شریعتِ الٰہی کی پابندی (2)
- تربیتی عمل میں مزاج شناسی کی اہمیت
- کالا دھن
- ہنری کسنجر کا دورۂ بیجنگ
- انسانی فلاح و بہبود کا پروگرام
- عزم و ہمت اور ارادہ
- وقت کی پابندی
- علم الاخلاق تاریخ کے آئینے میں
- ابوالفیض حضرت شاہ عبدالرحیم دہلویؒ
- دیوبند اور برطانوی راج کی مزاحمت
- حضرت مولانا مجاہد الحسینی کا مکتوبِ گرامی
- ڈپٹی گورنر اسٹیٹ بینک کی ادارہ رحیمیہ لاہور آمد
- نظریہ، ماحول اور نظام
- دینی مسائل

ارشادِ گرامی

حضرت اقدس مولانا **شاہ عبدالقادر** رائے پوری قدس سرہ
مسند نشینِ ثانی
خانقاہ عالیہ رحیمیہ رائے پور

صبح کی مجلس میں حضرت والاؒ نے کئی دن سے (مسلم) لیگ، کانگرس پر جاری ہونے والی بحث کے متعلق فرمایا: ''ہم اور کچھ نہیں جانتے، مگر اتنا خم ٹھونک کر کہتے ہیں کہ ہم حضرت (مولانا سید حسین احمد) مدنی کے ساتھ ہیں۔''

مولوی احتشام الحسن (کاندھلوی) نے کہا کہ: حضرت! خانقاہ میں ایسی (سیاسی) بحثوں سے بہت وقت ضائع ہوتا ہے۔

حضرت والاؒ نے فرمایا کہ: ''کیا کروں میری تربیت کچھ ایسی ہوئی ہے اور حضرت (شاہ عبدالرحیم رائے پوری) رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شیخ الہند (مولانا محمود حسنؒ) کے جو حالات دیکھے ہیں تو (سیاسی باتوں کے لیے) میرا خود سر کھجلانے لگتا ہے۔ اَوروں کا کیا قصور ہے اور جو لوگ حضرت (مولانا سید حسین احمد) مدنی کو ایذا دیتے ہیں، ان کے لیے دل سے بددُعا نکلتی ہے۔''

(مجلس ۷ رشوال المکرم ۱۳۶۵ھ/4 ستمبر 1946ء، بروز: منگل، مقام: رائے پور)

(ارشادات حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری، ص 174، طبع: رحیمیہ مطبوعات، لاہور)

ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

رحیمیہ ہاؤس، 33/A کوئینز روڈ (شارع فاطمہ جناح) لاہور
0092-42-36307714,36369089-www.rahimia.org
Email: info@rahimia.org

رحیمیہ کا انگلش ایڈیشن ہماری ویب سائٹ پر پڑھا جاسکتا ہے۔

رقومات کی ترسیل بنام ''ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ ٹرسٹ لاہور'' اکاؤنٹ نمبر 0010030341820010 الائیڈ بینک مزنگ چونگی برانچ لاہور، برانچ کوڈ 0533

www.rahimia.org

درسِ قرآن

تفسیر: شیخ التفسیر حضرت مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری

انسانیت کے دشمن سے اللہ کی پناہ

فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ (98:16)

(جب تم قرآن پڑھنے لگو تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ میں آجاؤ۔)

اس آیتِ مبارکہ میں قرآن حکیم کی تلاوت سے پہلے ہمیں اعوذ باللہ من الشیطان الرّجیم پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ انسان کی فطرت ہے کہ وہ دنیا میں نقصان پہنچانے والی چیزوں سے دور بھاگتا ہے اور اپنے خیر خواہ اور مہربان کی پناہ میں آتا ہے۔ چناں چہ مسلمان کو تعلیم دی گئی ہے کہ وہ قرآن حکیم کی تلاوت سے پہلے اپنے دشمن شیطان مردود سے بچنے کے لیے اپنے اوپر مہربان ذات اللہ تبارک وتعالیٰ کی پناہ میں آئے۔ اس سے شیطان کو انسان پر تسلط حاصل نہیں ہوتا۔ وہ اُسے بے شعوری اور جہالت میں مبتلا نہیں کرسکتا۔ ظلم و ناانصافی کے نظام میں مبتلا نہیں رکھ سکتا۔ اس طرح قرآنی علم و شعور اور عدل و انصاف کے نظام کو خوب اچھی طرح سمجھ سکتا ہے۔

انسان دنیا میں آتا ہے تو ظلوم اور جہول (القرآن 33:72-73)، یعنی ناواقف، جاہل اور ظلم کے ماحول میں ہوتا ہے۔ گردوپیش کی چیزوں کے صحیح استعمال سے ناواقف اور ظلم و ناانصافی کی حالت میں ہوتا ہے۔ اسے علم و شعور اور عدل و انصاف کے نظام کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایسا علم و شعور — جس سے اُس کے ظلم کا خاتمہ ہو اور عدل و انصاف حاصل ہو — اللہ کی کتاب قرآن حکیم میں ہے۔ اللہ کی پناہ میں آنے سے انسان قرآنی علم و شعور کا خوگر اور عدل و انصاف کا نظام قائم کرنے کی اہلیت حاصل کرتا ہے۔

انسان دو قوتوں کا مجموعہ ہے: ارضی قوتوں پر مشتمل حیوانی جسم اور نورانی قوت پر مشتمل ملکوتی روح۔ جسم حیوانی اس عالم میں موجود عناصر کے صحیح استعمال سے ترقی کرتا ہے، جب کہ اس کی روحِ ملکوتی عالم قدس کے علوم و معارف سے فیض یاب ہوتی ہے۔ انسان پر مہربان ذات اللہ تبارک وتعالیٰ کی ہے۔ اُس نے انسان کی دُنیوی اور اُخروی ترقی کے لیے اُس کی ان دونوں قوتوں کو فیض یاب کرنے کا نظام بنایا ہے۔

اس انسانیت دوست نظام کو توڑنے والی انسان کی دشمن طاقت شیطان ابلیس کی ہے۔ اُس نے انسانِ اوّل کی پیدائش کے وقت سے ہی انسان دشمنی کا اعلان کر دیا تھا۔ یوں اللہ کے قائم کردہ انسانی ترقی کے نظام کی مخالفت کر کے شیطان اُس کی درگاہ سے مردود قرار پایا۔ شیطان کا کام انسان کو علم و شعور سے محروم رکھنا ہے اور جہالت میں مبتلا کر کے ظلم و ناانصافی میں مبتلا کرنا ہے۔ قرآن کا علم ان شیطانی اثرات کا خاتمہ کرتا ہے۔

تلاوت سے پہلے تَعَوُّذ کو صدقِ دل سے پڑھنا انسان کے اندر اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ پختہ وابستگی کا جذبہ بیدار کرتا ہے۔ حیوانی جذبات پر سے شیطانی اثرات دور ہوتے ہیں۔ اُس کی روحِ ملکوتی کا تعلق ذاتِ باری تعالیٰ سے قائم ہوتا ہے۔ اُس کے نتیجے میں قرآنی علم و شعور کے دروازے کھلتے اور عدل و انصاف کا نظام قائم کرنے کا صحیح اور سیدھا راستہ اُس کے سامنے واضح ہو جاتا ہے۔ اس طرح انسان دُنیوی ترقیات اور اُخروی ترقیات کے راستے پر چل پڑتا ہے۔

درسِ حدیث

تشریح: مولانا ڈاکٹر محمد ناصر، جھنگ

یتیموں کی نگہداشت کا اَجر

عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ:

"اَنَا وَكَافِلُ الْيَتِيْمِ لَهٗ وَ لِغَيْرِهٖ فِي الْجَنَّةِ هٰكَذَا. وَ اَشَارَ بِالسَّبَّابَةِ وَ الْوُسْطٰى، وَ فَرَّجَ بَيْنَهُمَا شَيْئًا." (صحیح بخاری، حدیث نمبر 943)

(حضرت سہلؓ بن سعدؓ سے روایت ہے۔ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"میں اور یتیم کا پالنے والا — خواہ وہ یتیم اپنے گھرانے کا ہو یا غیر ہو — جنت میں اس قدر قریب ہوں گے۔" آپ ﷺ نے یہ کہہ کر اپنی پہلی اور درمیان والی انگلیاں اُٹھا کر دکھائیں اور دونوں میں تھوڑا سا فاصلہ رکھا۔)

دین اسلام دراصل دین انسانیت ہے۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمتِ مسلمہ کو ایسی ہدایات سے نوازا ہے، جس سے ایسا معاشرہ تشکیل پا سکتا ہے، جو ہر معاشرتی تفریق کو ختم کرنے کا ضامن ہو۔ غریب اور امیر، کمزور اور طاقت ور کا سماجی فرق بہت حد تک ختم ہو گیا۔ اس حدیثِ مبارکہ میں رسول اللہؐ نے ایک ایسے ہی اہم معاشرتی مسئلے پر رہنمائی فرمائی ہے۔ یتیم اُس بچے کو کہتے ہیں، جس کے سر سے باپ کا شفقت آمیز سایہ اُٹھ جائے۔ ایسے بچے کی نگہداشت کرنے والے شخص کو حضورؐ جنت میں اپنی معیت کی بشارت دیتے ہیں۔ اس حدیث سے چند اُمور میں رہنمائی ملتی ہے:

1۔ یتیم کی مکمل نگہداشت افرادِ معاشرہ اور ریاست کی ذمہ داری ہے۔

2۔ مخلوقِ خدا، بالخصوص کمزوروں کی خدمت محض دُنیوی نہیں، بلکہ دینی اور اُخروی دونوں کامیابیوں سے ہم کنار کرتی ہے۔

3۔ کمزوروں کا لحاظ ایک دینی فریضہ ہے اور دین اسی بنا پر معتبر اور دنیا میں مقبول ہے کہ یہ کمزوروں، یتیموں اور بے سہارا لوگوں کو سہارا دے کر وقار کے ساتھ کامیاب زندگی گزارنے کی رہنمائی دینے والا دین ہے۔

4۔ کمزوروں اور بے سہارا لوگوں کی خدمت، دین میں اتنی اہم ہے کہ اُخروی زندگی میں رسول اللہ ﷺ کی معیت کا سبب ہوگی۔ جنت اور رسول اللہ ﷺ کی معیت کی قدر و قیمت ہر مؤمن جانتا ہے۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ دین کی روشنی میں معاشرتی عدل و انصاف کا قیام اور انسان دوستی کتنی اہم اور توجہ طلب ہے۔

5۔ معاشرے میں کسی بھی فرد کی کمزوری فرد کی نہیں، اجتماع کی کمزوری تصور کی جائے گی۔ ایسا معاشرہ تشکیل پانا چاہیے جو اپنے اور غیر کی تمیز سے بالاتر ہو۔ ہر فرد اور ریاست کے پیشِ نظر محض مخصوص افراد نہیں، بلکہ معاشرہ اور اجتماعِ انسانیت ہونا چاہیے۔

6۔ وہ دین جو فرد کی محرومی کو پسند نہیں کرتا اور اس کی نگہداشت کرنے پر غیر معمولی اَجر کا وعدہ کرتا ہے، اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ اگر معاشرتی زوال اجتماعی ہو جائے تو پھر ہر فرد کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ مسائل کے حل کے لیے آگے بڑھے اور اپنا قومی فریضہ ادا کرے۔

www.rahimia.org

اداریہ

پُرانے بندوبست کی واپسی

ہمارے ملک کی سیاست ہمیشہ دو دھڑوں میں تقسیم رہی ہے۔ ایوب خان کے دور میں ذوالفقار علی بھٹو کی سیاست میں آمد کے بعد یہ تقسیم عوامی حلقوں تک بھی جا پہنچی اور ملک کے عوام واضح طور پر دو حلقوں میں تقسیم ہوگئے۔ پھر بے نظیر اور نواز شریف کے آمنے سامنے آنے کے بعد اس تقسیم نے باقاعدہ دو سیاسی کیمپوں کو جنم دیا اور ان کے ذریعے اقتدار حاصل کرنے کے لیے گھمسان کی جنگ ہوئی۔ اس جنگ سے قومی اور بین الاقوامی حلقوں نے خوب فائدہ اٹھایا۔ یہ شاطر قوتیں اپنے مفادات کے لیے موقع کی مناسبت سے اپنے کیمپ کو چُن لیتی تھیں اور ہر طرح کے وسائل کے ساتھ ان کی پشت پر آ موجود ہوتی تھیں۔

اس سے سب بڑا نقصان نظریاتی حلقوں کا ہوا کہ عوام اسی کو تبدیلی اور انقلاب کی جنگ سمجھ بیٹھے اور کسی ٹھوس نظریاتی پارٹی کی نشوونما نہ ہوسکی۔ اس جنگ میں عوامی شدت دونوں طرف کی قیادت کی شدت کا عملی اظہار تھا۔ نوے کی دہائی کی نواز، بے نظیر سیاست اور بیانات اس صورتِ حال سے بہ خوبی پردہ اٹھاتے ہیں، جب دونوں پارٹیاں ایک دوسرے کو غدار اور ملک دشمن قرار دے رہی تھیں۔

یہ برف ایک فوجی حکمران کے خلاف مشترکہ لائحۂ عمل کے سبب پگھلی اور پھر اسی فوجی جرنیل کے ذریعے این آر او کے سبب ان دونوں پارٹیوں کو سسٹم سے فیض یاب ہونے کا موقع فراہم کیا گیا۔ دراصل پسِ پردہ قومی و بین الاقوامی حلقوں کو اپنے مفادات کی آبیاری کے لیے سرمایہ دارانہ نظام میں کرپٹ سیاست دان ہی سُوٹ کرتے ہیں۔ چناں چہ عوامی طاقت اور جمہوریت کے نام پر پُرانا سیاسی بندوبست ہی سرمایہ دار قوتوں کے مفادات کے تحفظ کا بہترین اور مضبوط ذریعہ ٹھہرا۔ وہ ماضی میں حسبِ ضرورت مندرجہ بالا کیمپوں کی جنگ اور صلح کا اہتمام کرتے رہے ہیں اور اب بھی حسبِ سابق یہ روایت جاری رہے گی۔

زرداری صاحب کے دورِ اقتدار میں مسلم لیگ نون کا اور نواز حکومت میں زرداری صاحب کا 'مثبت' اندازِ سیاست بہت کچھ سمجھنے کی دعوت دے رہا ہے۔ ان کی واپسی کی تقریر اپنی سابقہ پیشین گوئی یعنی 'جرنیل چلے جاتے ہیں اور سیاست دان ہمیشہ رہتے ہیں' پر اِترانے کی بجائے مصالحت اور سمجھوتے کے واضح آثار دکھائی دیتے ہیں۔

ہمارے اُمید پرست حلقوں کو سابقہ آرمی چیف کی سبک دوشی، پاناما سکینڈل پر عدالتی محاذ کی خاموشی، حکومت مخالف تحریک کی تھکاوٹ اور سابق صدر کی واپسی پر تبدیلی کے عقبی دروازے کے بجائے قوم کو حقیقی تبدیلی کی طرف سوچنے کی دعوت دینی چاہیے۔ اور ہمارے وہ لیڈر جو اسٹیبلشمنٹ کی کسی بھی معمول کی سرگرمی سے اُمید سے ہوجاتے ہیں، ان سے بھی گزارش کے کہ قوم کے حال پر رحم فرمائیں اور اپنی مایوسی اور بے جا اُمید پرستی' دونوں سے قوم کے مستقبل کو تباہ نہ کریں۔ (مدیر)

حالاتِ حاضرہ

محمد عباس شاد، لاہور

عوام، تبدیلی اور مسائل

2016ء کا سال تمام ہوا۔ سال بھر حکومت، اپوزیشن اور سیاسی پیشین گوئیاں کرنے والوں کے خوابوں کا سورج بھی غروب ہوگیا۔ اب 2017ء کا نیا سال، نئی اُمیدیں اور نئے خواب ہوں گے۔ خواب بیچنے والے تو یقیناً وہی ہوں گے، لیکن خریدار کچھ نہ کچھ ضرور تبدیل ہو چکے ہوں گے۔ کیوں کہ ہمارے ملک کی بڑھتی ہوئی آبادی سے ہر نئے موسم کے کھیل کو اتنے تماش بین ضرور میسر آجاتے ہیں، جس سے پُرانے مداریوں کا کاروبارِ حیات چلتا رہے۔

اس سال بھی گزشتہ سالوں کی طرح زمینوں پر قبضے، گھروں میں ڈاکے، روڈوں پر ڈکیتیاں، بھتہ خوری، رشوت ستانی، دہشت گردی، سمگلنگ، دفتروں میں سفارشیں اور عدالتوں میں سُرخ فیتے چلتے رہیں گے۔ اور اس کے متوازی نیکیوں کی دعوت، اپنے آپ کو ٹھیک کرنے کے وعظ، خاتمہ بالخیر کی دعائیں اور سب کچھ خود بہ خود ٹھیک ہونے کے دعوے بھی موجود رہیں گے۔

دوسری طرف پاناما کی سماعت، کرپشن کے خلاف تقریریں، احتساب کی ریلیاں اور دھرنے بھی جاری رہیں گے۔ اور ٹی وی چینلز پر 'اگر یہ نہ ہوا اور وہ نہ ہوا تو میرا نام بدل دینا'، 'فلاں تاریخ تک یہ ہونے جا رہا ہے اور فلاں تاریخ تک میں یہ دیکھ رہا ہوں' جیسی سماعتیں بھی ہمارے کانوں سے ٹکراتی رہیں گی۔ تیسری طرف ملک کو یورپ، شہروں کو پیرس، لوڈشیڈنگ کے خاتمے، سابق حکمرانوں کے محاسبے، لٹیروں سے قومی دولت واپس لینے، ان کو پیٹنے اور گھسیٹنے کی جذباتی تقریریں بھی ہوتی رہیں گی۔

اور پھر کوئی الیکشن آجائے گا۔ نتیجہ حسبِ سابق رہا تو سب کچھ ایسے ہی چلتا رہے گا۔ نہیں تو تبدیلی ہوگی، لیکن کیسی تبدیلی؟ بس چہرے یعنی اِدھر والے اُدھر اور اُدھر والے اِدھر۔ اور اس تبدیلی کے اثرات نیچے آئے تو کوئی اینکر چینل بدل لے گا اور کالم نگار اَخبار! اور کوئی بیوروکریٹ اپنے گھر کا فرنیچر تبدیل کرکے چھوٹی ہاؤسنگ سوسائٹی سے بڑی ہاؤسنگ سوسائٹی میں چلا جائے گا۔ کوئی غریب مہنگائی کے سبب اپنے بچوں کا اسکول تبدیل کردے گا، یعنی وہ پرائیویٹ اسکول کی فیس ادا نہ کرنے کی استطاعت سے محرومی کے نتیجے میں اپنے بچوں کو کسی خستہ حالت بلڈنگ میں قائم پُرانے سرکاری اسکول میں منتقل کردے گا۔ اور کسی غریب ماں کا بچہ وکیل کی فیس نہ ہونے کے سبب پھانسی چڑھ جائے گا! بس اس سے زیادہ تبدیلی ہمارے مقدر میں نہیں۔

کیوں؟ کیوں کہ ہم اپنی سوچ اور خیالات نہیں بدلتے۔ خیال اور نظریے کی تبدیلی کے بغیر تبدیلیاں ایسی ہی ہوتی ہیں۔ جس دن ہم اپنی فرسودہ سوچ اور غلط نظریہ بدل لیں گے تو سب کچھ بدل جائے گا۔ ورنہ ایسی ہی نام نہاد تبدیلیاں ہمارا مقدر رہیں گی۔

www.rahimia.org

افکار امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ

عالم گیر نظام کا لازمی تقاضا: شریعتِ الٰہی کی پابندی ②

مترجم: مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری

{برعظیم پاک و ہند کی عظیم ترین شخصیت حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اٹھارہویں صدی عیسوی میں انقلابی افکار اور تعلیمات انسانیت کے سامنے پیش کیے ہیں۔ دوسرے ہجری ہزارے میں دین حق کی سچی تعلیمات پر مبنی اُن کے بیان فرمودہ افکارِ عالیہ آج بھی اپنے اندر تازگی رکھتے ہیں۔ یہ افکارِ عالیہ نئی سیاسی، سماجی اور معاشی تشکیل کے لیے بنیادی اہمیت رکھتے ہیں۔ مترجم}

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ حُجّۃ اللّٰہ البالغہ میں فرماتے ہیں:

''(جب انسان اپنی قوتِ عقلیہ کی زیادتی اور قوتِ عملیہ کی اعلیٰ مہارت کے سبب حیوانیت سے بلند تر ممتاز حیثیت کا حامل ہے تو) جاننا چاہیے کہ انسانی مزاج اپنی صورتِ نوعیہ کے تقاضے سے اُسی وقت اعتدال پر رہ سکتا ہے، جب وہ درج ذیل علوم اختیار کرے:

1۔ ایسے اعلیٰ علوم جنھیں اُن کے ذہین ترین افراد پورے خلوص کے ساتھ حاصل کریں اور پھر دوسرے لوگ اُن علوم میں اُن کی اتباع کریں۔

2۔ ایسی شریعت، جو الٰہی علوم و معارف اور ارتفاقات پر مبنی تدبیراتی نظام پر مشتمل ہو۔

3۔ ایسے قواعد و ضوابط، جو انسان کے درج ذیل پانچ اختیاری اعمال کی قرار واقعی حیثیت کا تعین کریں: (۱) واجب، (۲) مستحب، (۳) مباح، (۴) مکروہ، (۵) حرام

4۔ ایسے ابتدائی مقدمات (اَخلاقِ اربعہ)، جو انسانوں کو احسان و سلوک کے اعلیٰ ''مقاماتِ'' (عقل، قلب اور نفس) تک پہنچائیں۔

ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ کی حکمت اور رحمت نے یہ ضروری سمجھا کہ اپنے غیب کے مقدس خزانے سے انسان کی قوتِ عقلیہ کے لیے علوم و معارف کا خزانہ فراہم کرے اور انسانوں میں سے ذہین ترین افراد پورے خلوص کے ساتھ ان کو حاصل کریں۔ اُن پر یہ علوم نازل ہوں اور پھر باقی تمام لوگ اُن کی فرماں برداری اختیار کریں۔ جس طرح شہد کی مکھیوں کی سردار اپنی نسل کی ترقی کے لیے کردار ادا کرتی ہے اور اپنی نسل کے تمام افراد کے لیے ایک نظام بناتی ہے۔ بالکل اسی طرح کسی واسطے یا بغیر کسی واسطے کے اللہ کی جانب سے علومِ الٰہی کسی اونچے درجے کے انسان پر نازل نہ ہوتے تو انسان کے فطری کمال کی تکمیل ہرگز نہ ہوتی۔

چناں چہ انسانیت کے لیے شریعتِ الٰہی کا نازل ہونا اسی طرح ضروری اور فطری ہے، جیسا کہ جانوروں میں سے گھاس کے بغیر زندہ نہ رہنے والے جانور کا مشاہدہ کرنے والے انسان کو یہ یقین ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُس کے لیے ایسی چراگاہ کا ضرور انتظام کیا ہے، جس میں بڑی کثرت سے گھاس پایا جاتا ہے۔ ایسے ہی وہ آدمی جو اللہ کی عالم گیر کائنات میں اُس کی کاریگری کو دیکھتا ہے تو اُسے یقین ہو جاتا ہے کہ انسان کی عقل کے خلل کو دور کرنے کے لیے ضروری ہے کہ شریعت کے علوم و معارف اُس پر نازل کیے جائیں، تاکہ اُس کے فطری کمال کی تکمیل ہو سکے۔

(انسانی عقل کی تکمیل کے لیے) شریعت کے علوم و معارف درج ذیل ہیں:

1۔ علم توحید و صفات (اللہ کی توحید و صفات کا علم): اس علم کی تشریح کچھ اس طرح کرنا ضروری ہے کہ انسانی عقل اپنے طبعی تقاضے کے تحت اُسے سمجھ سکے۔ اس کی تشریح ایسے مشکل طریقے سے نہ ہو کہ جس کو صرف شاذ و نادر افراد ہی سمجھ سکیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس علم کی شرح اُس معرفت کے ذریعے سے کی ہے، جس کی طرف اللہ نے ''سبحان اللّٰہ و بحمدہٖ'' میں اشارہ کیا ہے۔ چناں چہ اللہ نے اپنے تعارف کے لیے ایسی صفات استعمال کیں، جنھیں لوگ جانتے تھے اور وہ اُن کے استعمال میں تھیں۔ ان صفات میں حیات (زندگی)، سمع (سننا)، بصر (دیکھنا)، قدرت (طاقت و قوت کا استعمال)، ارادہ (فیصلہ کرنا)، کلام (گفتگو کرنا)، غضب (غصہ)، سخط (ناراضگی)، رحمت (نرمی اور شفقت)، ملک (حکمرانی)، غنی (وغیرہ) ہیں۔ اسی کے ساتھ ہی یہ بھی واضح کر دیا کہ اللہ کی یہ صفات، ہماری صفات کی طرح نہیں ہیں۔ چناں چہ وہ زندہ ہے، لیکن ہماری زندگی کی طرح نہیں۔ وہ دیکھتا ہے، لیکن ہمارے دیکھنے کی طرح نہیں۔ وہ قدرت رکھتا ہے، لیکن ہماری قدرت کی طرح نہیں۔ وہ ارادہ کرتا ہے، لیکن ہمارے ارادے کی طرح نہیں۔ وہ بولتا ہے، لیکن ہمارے بولنے کی طرح نہیں۔ وغیرہ۔...

2۔ علم عبادات (نماز، روزہ اور دیگر عبادات کا علم)

3۔ علم ارتفاقات (سوسائٹی کی تشکیل میں فرد اور ابتدائی جماعتی نظام سے لے کر قومی اور بین الاقوامی سطح کے سیاسی، معاشی، سماجی اور عمرانی معاملات میں بہتری اور آسانی پیدا کرنے کے بہترین علم پر مبنی چار ارتفاقات)

4۔ علم مخاصمہ یعنی پست ذہنیت کے لوگوں کے دلوں میں جب شکوک و شبہات پیدا ہوتے ہیں تو حق کے دفاع کے لیے ضروری ہے کہ اُن کے شکوک و شبہات کو دور کرنے کے لیے ایک مکمل علم پیش کیا جائے۔

5۔ علم تذکیر بآلاء اللہ (اس کائنات میں موجود اللہ کی نعمتوں کے ذریعے سے ذاتِ باری تعالیٰ کی حقانیت اور احکاماتِ خداوندی کی علمی تفہیم)

6۔ علم تذکیر لأیام اللہ (ماضی میں گزرے تاریخی واقعات سے نصیحت اور عبرت حاصل کرتے ہوئے شریعت کے احکامات کی علمی تفہیم)

7۔ علم تذکیر بوقائع البرزخ والحشر (مرنے کے بعد عالم برزخ اور حشر میں اچھے بُرے اعمال کے جزا و سزا کے تناظر میں شریعت کے احکامات کی حقانیت کا علمی ثبوت)

حق تبارک و تعالیٰ نے جب ازل میں نوعِ انسان اور اُس کی اولاد میں تسلسل کے ساتھ پائی جانے والی استعداد کو دیکھا اور اُس کی قوتِ ملکیہ اور اُس کی استعداد کے مطابق ان علوم کی تشریح کی صلاحیت کو دیکھا تو اپنے خزانۂ غیب میں ان ساتوں علوم کو مخصوص و محدود انداز میں مقرر کر دیا۔... جو بعد میں ہر دور میں آنے والے نبی پر نازل ہوئے۔ فلِلّٰہ الحُجّۃ البالغہ (اللہ ہی کے لیے ہیں تمام واضح دلائل اور حجتیں)

(باب انشقاق التکلیف من التّقدیر)

www.rahimia.org

ڈاکٹر عبدالرحمٰن راؤ، لاہور

تربیتی عمل میں مزاج شناسی کی اہمیت

(خانقاہِ رائے پور کے اوّلین صدر نشین حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ نے تعلیم و تربیت کے لیے مکاتیب قرآنیہ قائم فرمائے۔ جس کے لیے طلبا اور متعلّمین ہر دو کے لیے نصاب اور تربیتی پروگرام تشکیل دیا گیا۔ کم و بیش ایک صدی قبل اسی مقصد کے لیے حضرت رائے پوریؒ نے حضرت مولانا نور محمد لدھیانویؒ سے ''تعلیم المعلّمین'' کتاب تالیف کروائی، جو ان حضرات کے تربیتی اسلوب کو واضح کرتی ہے۔ مندرجہ ذیل افادات اسی کتاب سے زیر بحث لائے گئے ہیں۔)

مولانا نور محمد لدھیانویؒ فرماتے ہیں:

''بچوں کی مزاج شناسی کے اصول کو ہمیشہ ملحوظِ خاطر رکھنا چاہیے۔''

یہ وہ اہم اصول ہے، جسے جدید نظامِ تربیت میں ایک مسلمہ کی حیثیت حاصل ہے۔ چناں چہ ابتدائی تعلیم سے ہی بچے کے مزاج کو پرکھنے، جانچنے اور اس کے طبعی رُجحانات کا جائزہ لینے کے لیے باقاعدہ کاوش کی جاتی ہے۔ اس مقصد کے لیے جائزہ ٹیسٹ مرتب کیے جاتے ہیں۔ ماہرین کی خدمات حاصل ہوتی ہیں۔ اس کی دلچسپی کے موضوعات و مضامین کو پیشِ نظر رکھا جاتا ہے اور اس ضمن میں بچے کی رہنمائی کی جاتی ہے کہ وہ کس فن میں مہارت پیدا کرے تو سماج کی ترقی میں مفید کردار ادا کر سکے گا۔

بدقسمتی سے ہمارا نظامِ تعلیم اس اعتبار سے بھی انتہائی فرسودہ ہے کہ طبعی مزاج اور رجحانات کے تعین کا کوئی تصور سرے سے موجود ہی نہیں ہے۔ سب کے سب طلبا کو ایک ہی سطح کا نصاب اور ایک ہی طرز پر پڑھایا جاتا ہے۔ ایک طرف تو محض مزاج سے ہم آہنگ نہ ہونے کی بنا پر طلبا کسی مضمون میں مہارت پیدا کرنے سے قاصر رہتے ہیں تو دوسری طرف مخصوص مضامین رٹنے اور محض ان کے اظہار کر دینے کی صلاحیت کی بنا پر اس کے کامیاب یا ناکام ہونے اور ذہین یا کند ذہن ہونے کا فیصلہ کر لیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے ذہین طلبا تعلیم ادھوری چھوڑ کر چل دیتے ہیں اور بسا اوقات اپنی دلچسپی کے کسی شعبے میں صرف اپنی انفرادی کاوش کے بل بوتے پر حیرت انگیز نتائج کا مظاہرہ کر ڈالتے ہیں۔

اعلیٰ تعلیم میں خصوصی مہارت کے لیے مضامین اور شعبہ جات کا انتخاب محض مارکیٹ ویلیو کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ چناں چہ محض انھی شعبہ جات کے ماہرین سامنے آتے ہیں، جو سرمایہ داری نظام کی ضرورت پر پورا اُترتے ہوں۔ سماج میں عمومی طور پر علم و فن کی ترویج اور سوسائٹی کی عمومی فلاح پیشِ نظر نہیں ہوتی۔ اس کے برعکس خانقاہی نظامِ تربیت میں ہر فرد کے ذوق اور مزاج کے مطابق شعبۂ زندگی اپنانے اور مہارت پیدا کرنے کی تاکید کی جاتی ہے۔ چناں چہ معمولات کی تلقین اور ذمہ داریاں تفویض کرتے وقت بھی اسی اصول کو پیشِ نظر رکھا جاتا ہے، جس کے نتیجے میں ہر شعبۂ زندگی کے ماہرین فن پیدا ہوتے ہیں اور ہر فرد کے لیے خدمتِ انسانیت کے فریضے کو سرانجام دینا ممکن ہو جاتا ہے۔

محمد کاشف شریف، راولپنڈی

ملکی معیشت

کالا دھن

قومی پیداوار کیسے بڑھائی جائے؟ یہ ایک ایسا خواب ہے، جو ہر دور کی حکومت دیکھتی ہے اور اس کی تعبیر کے لیے ہمہ وقت کوشاں رہتی ہے۔ پاکستان جیسے بڑی آبادی والے پس ماندہ ممالک میں پیداوار سے بڑا مسئلہ اُس کے اعداد و شمار کے اکٹھے کرنے سے متعلق ہوتا ہے۔ چناں چہ ایک اندازے کے مطابق پاکستان کی 50 فی صد پیداوار کسی بھی ریکارڈ میں نہیں آتی۔ گویا گھریلو صنعت ہو یا زرعی شعبہ، اپنی مدد آپ کے تحت کیے جانے والے خدمت کے کام ہوں یا محدود درجے پر کمائی کرنے والے شعبے جہاں پیداوار کا استعمال اُس کے عاملین خود ہی کر لیں، کا اندازہ لگانا یقیناً مشکل کام ہے۔

ہمارے ٹیکس کے قوانین سب کو رضا کارانہ طور پر اپنی آمدن ظاہر کرنے اور اُس پر ٹیکس ادا کرنے کا پابند بناتے ہیں، لیکن اس پر وہ لوگ بھی عمل نہیں کرتے جو ایسے قوانین بناتے ہیں۔ اس صورتِ حال میں زور زبردستی سے جتنا بھی ٹیکس اکٹھا کر لیا جاتا ہے، اُسے حکمران طبقے بے دردی سے لوٹ لیتے ہیں۔ اُن کی لوٹ مار کی کہانیاں سن سن کر رضا کارانہ طور پر ٹیکس ادا کرنے والا ایک فرد بھی عدم ادائیگی میں ہی عافیت جانتا ہے۔

یہ عمل دو قسم کی آمدن کو جنم دیتا ہے: ایک سفید دھن اور دوسرا کالا دھن۔ سفید دھن وہ سرمایہ ہے، جس پر کسی شخص یا کمپنی نے طے شدہ قاعدے کے مطابق ٹیکس ادا کیا ہے اور کالا دھن، جسے کمانے کے لیے ریاست کو یا تو سرے سے ٹیکس ادا ہی نہیں کیا گیا اور اگر ادا کیا بھی گیا ہے تو مکمل ادا نہیں کیا گیا۔ عموماً یہ سمجھا جاتا ہے کہ چوری، رشوت ستانی، فراڈ، جعل سازی اور فریب سے کمائی جانے والی دولت دراصل کالا دھن ہوتی ہے اور اس کے برعکس سفید دھن۔ لیکن نافذ قوانین کے حوالے سے معاملہ کچھ مختلف ہے۔ اگر اَخلاقی حوالے سے منفی طریقوں سے دولت کمائی جائے اور کاغذی کارروائی میں مناسب ٹیکس بھی ادا کر دیا جائے تو وہی غلط ذرائع سے حاصل شدہ دولت سفید دھن قرار پائے گی اور ہمارے اکثر لوگ جو دن رات حق حلال کی کمائی کر کے زندگی گزارتے ہیں اور کسی بھی وجہ سے اُس دولت پر ٹیکس ادا نہیں کرتے، وہی حق حلال کی کمائی کالا دھن بن جاتی ہے۔

اس تناظر میں آئندہ دور کی حکومتیں بھی بڑی بڑی ملٹی نیشنل کمپنیوں کی طرح کام کرتی ہوئی نظر آتی ہیں، جس میں حکومتی خدمت کے شعبے بہ تدریج مہنگے ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ وہ اعلیٰ خدمات کے عوض زیادہ معاوضہ ٹیکس کی صورت میں وصول کر رہی ہیں اور جس میں زیادہ دینے کی سکت نہ ہو، وہ اُسی دقیانوسی نظام کے مزے چکھے۔

یہی وجہ ہے کہ نظام کالے دھن کو سفید کرنے کے مواقع فراہم کرتا رہتا ہے، تاکہ مقتدرہ نہ صرف اپنی لوٹ مار کو سفید دھن میں ڈھال لے، بلکہ اُن میں یہ حوصلہ بھی جوان رکھے کہ کوئی بات نہیں، جاری رکھو! بعد میں سب ٹھیک ہو جائے گا اور کوئی نہیں پوچھے گا۔

(بقیہ: صفحہ 11 پر)

www.rahimia.org

مرزا محمد رامضان، راولپنڈی

ہنری کسنجر کا دورۂ بیجنگ

ہنری کسنجر 1923ء میں جرمنی میں پیدا ہو کر آج 93 سال کی عمر کو پہنچ چکا ہے۔ دوسری جنگِ عظیم کے دوران وہ امریکی فوج کے لیے جرمنوں کے خلاف بہ طور مترجم خدمات سرانجام دیتا رہا۔ جنگ ختم ہونے کے بعد ہنری نے ہارورڈ یونیورسٹی میں داخلہ لے لیا۔ 1950ء میں بی اے کی ڈگری حاصل کی۔ چار سال بعد یعنی 1954ء میں پی ایچ ڈی کا مقالہ مکمل کیا۔ 1957ء میں ہارورڈ یونیورسٹی کے شعبہ حکومتی امور کے مرکز برائے بین الاقوامی تعلقات میں بہ طور ایسوسی ایٹ ڈائریکٹر منتخب ہو گیا۔ صدر نکسن نے 20/جنوری 1969ء کو بہ طور صدر کا حلف اٹھانے کے بعد جو اپنی پہلی ٹیم تشکیل دی تھی، کسنجر کو بہ طور مشیر برائے قومی سلامتی امور لیا تھا۔ مشیر کی حیثیت سے کام کرنے کے نتیجے میں کسنجر صدر نکسن کے بہت قریب ہو گیا۔ اس کا مؤقف جنگ کے بجائے گفت وشنید کے ذریعے معاملات سلجھانے کا تھا۔

BBC نیوز کے مطابق 2/مئی 2016ء کو امریکی ریاست انڈیانا میں ایک الیکشن مہم کے دوران، ڈونلڈ ٹرمپ نے اپنی ایک تقریر میں کہا تھا کہ: ''چین نے اپنی کرنسی کی قدر کو اوپر نیچے کر کے عالمی تجارت کے تقابلی رجحان کو یکسر بدل کے رکھ دیا ہے۔ جس کے نتیجے میں امریکی کاروبار اور اس سے متعلقہ کام کرنے والا طبقہ دونوں تباہ ہو چکے ہیں۔ لہٰذا ہم مزید یہ برداشت نہیں کر سکتے کہ چین اس طرح ہماری ملکی معیشت کے ساتھ "RAPE" کرتا رہے۔ ہم عالمی صورتِ حال کو بدل کے رکھ دیں گے۔ ہمارے پاس ایسے ''کارڈز'' ہیں، جن کے استعمال سے ہم یہ مقاصد حاصل کر سکتے ہیں۔ ہم چین سے زیادہ طاقت رکھتے ہیں۔'' اس نے مزید کہا کہ: ''چین کے ساتھ ہماری تجارت میں گزشتہ سال 365.7 ارب امریکی ڈالر کا خسارہ ہوا تھا۔''

2/دسمبر 2016ء کو جب کسنجر چینی رہنماؤں سے ملاقات کرنے کے لیے چین کے دارالحکومت بیجنگ پہنچا تو اس نے ملاقات کا آغاز ماضی کے اسی عہد سے کیا، جب وہ چین کو عالمی سیاست کے میدان میں لے کر آیا تھا۔ کسنجر کا گزشتہ عہد دنیا میں عالمی تشکیل کے لیے مہروں کے انتخاب اور ان کی تنصیب کا دور تھا۔ جب کہ آج جب وہ چین پہنچا تو اس کا انداز ماضی کا حوالہ دے کر مستقبل میں کچھ ریاعتیں حاصل کرنا مقصود تھیں۔ اگلے ہی روز یعنی 3/دسمبر 2016ء کو تائیوان کی صدر تسائی اِنگ وِن (Tsai Ing Wen) نے امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ کو فون کر کے جو مبارک باد دی تھی، اس واقعے نے عالمی سیاست میں کھلبلی مچا دی۔ کیوں کہ چین تائیوان کو اپنا حصہ سمجھتا ہے، اس لیے یہ قدم "One China" (ایک چین) کے تصور کے خلاف تھا۔ گزشتہ 37 سالوں میں ہر امریکی صدر نے اس پروٹوکول کا احترام کیا تھا۔

صدر نکسن نے چین کے ساتھ 1972ء میں جو تین نکاتی معاہدہ کیا تھا، باقی دو کے علاوہ ان میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ امریکا تائیوان کو چین کا حصہ سمجھے گا۔ اس خبر کو سب سے پہلے Taipei Times، پھر برطانوی اخبار Financial Time اور چین کے اخبار China Daily نے نمایاں اور شہ سرخیوں کے ساتھ 3/دسمبر 2016ء کو شائع کیا۔ امریکی رسالہ TIME نے 3/دسمبر 2016ء کو 5:44am پر نومنتخب امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ کا ٹویٹ شائع کیا، جس میں کہا گیا تھا کہ: ''مجھے تائیوان کی صدر تسائی اِنگ وِن نے صدارتی انتخاب جیتنے پر مبارک باد دی ہے۔''

ایک طرف تو کسنجر چینی حکمرانوں کے آگے ڈونلڈ ٹرمپ کی الیکشن مہم کے دوران دیے گئے بیانات اور وعدوں کے حوالے سے اپنا وضاحتی مؤقف پیش کر رہا تھا، جب کہ دوسری طرف ٹرمپ کو تائیوان کی صدر کی طرف سے کیے گئے فون کی خبریں نشر کی جا رہی تھیں۔ محسوس یہ ہو رہا تھا کہ تائیوان کی صدر بھی چوں کہ اسی سال منتخب ہوئی تھی، اسے معلوم نہیں تھا کہ چین کے ساتھ تائیوان کی سیاسی تشکیل کے حوالے سے عالمی پروٹوکول کے کیا تقاضے ہیں اور دوسری طرف ڈونلڈ ٹرمپ بھی ابھی نومنتخب امریکی صدر ہے، جو ایسی تمام نزاکتوں سے نابلد دکھائی دیتا ہے۔

دوسرا پہلو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ سب کچھ باقاعدہ منصوبہ بندی کے ذریعہ ہوا ہو، تاکہ تاثر یہ دیا جا سکے کہ ہم ابھی تک دنیا کے بادشاہ ہیں، اس لیے کچھ بھی کر سکتے ہیں۔ جس کے امکانات بہت کم نظر آتے ہیں۔ کیوں کہ 11/دسمبر 2016ء بروز اتوار کو فوکس نیوز (FOX NEWS SUNDAY) کو انٹرویو دیتے ہوئے ڈونلڈ ٹرمپ نے اپنی لاعلمی کا ثبوت دیتے ہوئے کہا کہ: ''مجھے سمجھ نہیں آتی کہ ہم ''ایک چین'' کے تصور کے ساتھ کیوں بندھے ہوئے ہیں؟ ہاں! یہ اس وقت تو ممکن ہے جب ہم چین کے ساتھ کوئی تجارتی لین دین کریں۔'' 11/دسمبر 2016ء کو امریکا کی سلامتی کونسل کے ترجمان نے بھی وضاحت کر دی ہے کہ: ''وہ اپنے معاہدوں کی پاسداری پر قائم ہے۔''

چینی خبر رساں ایجنسی کی 12/دسمبر 2016 کی رپورٹ کے مطابق: ''تائیوان چین کے بنیادی مفادات میں شمار ہوتا ہے۔ لہٰذا دنیا کو اس کا احترام کرنا ہوگا۔''

عالمی سیاست میں بالادستی کے لیے جہاں دیگر عوامل اہم ہیں، وہاں عصرِ حاضر کی بہترین ٹیکنالوجی کا حامل ہونا، اس کے استعمال کی اہلیت رکھنا، دنیا کے مادی وسائل کے علاوہ سیاسی طاقت کا حامل ہونا بھی ضروری ہے۔ آج دنیا واحد سپر پاور کے تصور سے آگے نکل کر علاقائی طاقتوں کی بالادستی کی طرف بڑھ رہی ہے، جو یک ملکی طاقت کے مقابلے میں بہت بڑا، مضبوط اور طاقت ور تصور ہے۔ امریکی گروپس تحلیل ہو رہے ہیں اور ان کے ارکان اُبھرتی ہوئی معیشتوں کے ساتھ تعلقات بنا کر اپنے معاشی مسائل کے حل کے لیے کوشاں دکھائی دیتے ہیں۔ ڈونلڈ ٹرمپ نے جس تجارتی خسارے کا ذکر کیا تھا، وہ ٹھہرنے والا نہیں، بلکہ آگے ہی بڑھتا جائے گا۔ کیوں کہ ارتقا میں جو سبقت لے جاتا ہے، اس کے مقابلے کے لیے مزید سرعت رفتار ٹیکنالوجی کی ضرورت ہوتی ہے، جو بچھڑنے والا پہلے ہی کھو چکا ہوتا ہے۔ جو ملک طاقت کے نشے میں مست ہو جائے، وہ خود بہ خود دیگر اقوام کو آگے بڑھنے کے مواقع فراہم کر دیتا ہے۔ یہی تاریخ کا سبق ہے۔

www.rahimia.org

رپورٹ: نفیس مبارک ہمدانی، لاہور

انسانی فلاح و بہبود کا پروگرام

22 رجنوری 2016ء کو حضرت اقدس مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری مدظلہٗ نے ادارہ رحیمیہ لاہور میں جمعۃ المبارک کے اجتماع سے خطاب فرمایا۔ اس دوران انھوں نے دین اسلام کی جامعیت کو واضح کرتے ہوئے فرمایا: ''دین اسلام کی سچی تعلیمات انسانی فلاح و بہبود کے لیے دنیا اور آخرت میں کامیاب بنانے کا ایک واضح اور دوٹوک پروگرام دیتی ہیں۔ دین اسلام انسانی معاشرے میں ایک تحریک پیدا کرتا ہے۔ جدوجہد کا ایک راستہ متعین کرتا ہے۔ یہ رسمی بنیادوں پر چند عقائد اور چند رسومات کا مجموعہ نہیں، کسی ایک نئے مذہب یا نئے فرقے کے اضافے کا عنوان نہیں، بلکہ یہ کل انسانیت کی فلاح و بہبود کا ایک جامع اور قطعی پروگرام ہے۔ دین اسلام کا مقصد انسانیت کو دنیا و آخرت میں کامیاب بنانا ہے۔ اس ہدف کے حصول کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرامؓ، تابعینؒ اور تبع تابعینؒ اور ہر دور کے علمائے ربانیین اور اولیاء اللہ نے جدوجہد اور کوشش کی ہے کہ انسانیت نہ صرف دنیا میں کامیابی اور ترقی کے منازل طے کرے، عزت و افتخار قائم کرے، بلکہ آخرت میں بھی اُسے کامیابی اور کامرانی ملے۔ آخرت کے عذاب سے بھی نجات حاصل ہو۔

یہ دین جامع ہے، جو انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ اس نے جسم کی ضروریات اور تقاضوں کی تکمیل کا بھی باقاعدہ ایک نظام دیا ہے۔ اور اس کی روح کی ترقی اور کامیابی کے لیے بھی اعمال و افکار کا ایک مجموعہ پیش کرتا ہے۔ اور پھر نہ صرف جسم اور روح کی ترقی کے بنیادی قاعدے اور ضابطے واضح کرتا ہے، بلکہ اُس کا ایک عملی نظام، اُسے عمل میں لانے کی درست حکمتِ عملی اور طریقہ کار بھی واضح کرتا ہے۔

کوئی بھی چیز روبہ عمل تبھی آتی ہے کہ جب اُس کے لیے سچائی کو قبول کرنے اور سچائی پر قائم رہنے کے لیے عزم و ہمت اور استقامت پائی جائے۔ افکار کتنے ہی اونچے کیوں نہ ہوں، اَخلاق و اقدار کے دعوے کتنے ہی بلند کیوں نہ ہوں، لیکن عمل میں ہمت نہیں، اُس کو روبہ عمل لانے کا عزم نہیں، شک کی حالت ہے، ذہن اور دماغ، یقین کے اندر شکوک و شبہات ہیں تو کبھی وہ اخلاق و اقدار عملاً انسانی معاشرے میں نہیں آسکتیں۔ قلب کی جرأت اور ہمت سے پختہ عزم و ارادہ قائم کرنا' بنیادی چیز ہے۔ بہت سے سوچنے والے دماغ اچھا فکر سوچ لیتے ہیں۔ اچھی بات اُن کے خیالات میں آجاتی ہے۔ بہت سے اچھے مقرر فکر اور فلسفے کو بڑی اچھی زبان میں بیان کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ طلاقتِ لسانی گفتگو کو عمدہ اور بہتر بنا دیتی ہے۔ چرب زبانی سے باتوں کو خوب صورت انداز میں پیش کیا جاسکتا ہے۔ زبان کا لہجہ عمدہ تقریر کرسکتا ہے۔ خیال' عمدہ افکار و نظریات اپنے دماغ میں پرورش کرے، لیکن عمل کی ہمت مفقود ہو، وہاں شک کا بیج بویا ہوا ہو، وہاں ارادے کی پختگی نہ ہو تو کوئی نتیجہ نہیں نکلتا۔''

عزم و ہمت اور ارادہ

انھوں نے مزید فرمایا: ''عزم و ہمت وہ چیز ہے، جس سے قلب کی جرأت و ہمت اور طاقت یکسو ہوجاتی ہے۔ مفسرین نے عزم کی حقیقت واضح کرتے ہوئے بتلایا ہے کہ انسان کے دماغ میں خیال آتے اور جاتے ہیں، لیکن کوئی عزم و ارادہ مرتب نہیں کرتے۔ خیالات کے مجموعے سے ابتدائی طور پر ایک کام کرنے کا جذبہ بیدار ہوتا ہے کہ اُس خیال کے مطابق انسان عمل درآمد کرے۔ انسان جب خیالات کے مختلف مراحل سے گزرتا ہے تو خیال کے مختلف درجے ہوتے ہیں۔ ابتدائی خیال اپنے مراحل کے اعتبار سے جب سوڈگری تک پہنچتا ہے تو خیال ایک عزم میں تبدیل ہوجاتا ہے۔ خیالات کے مجموعے سے جو تصور دماغ، قلب اور نفس میں بالترتیب قائم ہوجائے اور یہ تینوں اس پر متفق ہوجائیں۔ اور جسم کے اعضا اس خیال پر عمل درآمد کرنے کے لیے آمادہ ہوجائیں۔ قلب اُس خیال کو عمل میں لانے کے لیے بلند تر حالت میں ہو اور دماغ اپنی تمام تر توانائیوں کے ساتھ اُس کو غالب کرنے کے طریقے سجھائی دے رہا ہو۔ یہ عزم کی حالت ہے۔

خیالات کے مجموعے سے جو تصور دماغ، قلب اور نفس میں بالترتیب قائم ہوجائے اور یہ تینوں اس پر متفق ہوجائیں۔ اور جسم کے اعضا اس خیال پر عمل درآمد کرنے کے لیے آمادہ ہوجائیں۔ یہ عزم کی حالت ہے۔

مسلمان جماعت پُرعزم ہوتی ہے۔ ہمت اور جرأت سے کام لیتی ہے۔ بزدلی، مرعوبیت، شک، خواہش، تمناؤں اور آرزوؤں کی اسیر نہیں ہوتی۔ سوچ سمجھ کر، عقل و شعور اور عزم و ہمت سے ایک ہدف مقرر کرتی ہے۔ اور اس ہدف کے حصول کے لیے جدوجہد اور کوشش کرتی ہے۔

آج ہم اپنا جائزہ لیں۔ ہمارے عزم کی کیا حالت ہے؟ لفظ عزم ہمارے لیے ایک مذاق ٹھہرا ہے۔ ہم خواہشات پالتے ہیں۔ آرزوؤں کا اظہار کرتے ہیں۔ تمناؤں کی راگنی الاپتے ہیں۔ 57 مسلمان ممالک عزم و ہمت سے کوسوں دور ہیں۔ دوسروں کے غلام ہیں۔ دوسروں کی خواہشات، دوسروں کی تمناؤں اور آرزوؤں کے اسیر ہیں۔ عرب و عجم مسلمان ملکوں کے سارے ریزرو کیا امریکا کے قبضے میں نہیں؟

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ایک زمانہ آئے گا کہ تمھارے خطے میں دولت کے وسائل پیدا ہوں گے۔ جب یہاں سے دولت نکلے گی تو اغیار تم پر ایسے ٹوٹ پڑیں گے جیسے کھانا چُن دینے کے بعد کھانا کھلتا ہے تو لوگ کھانے پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ تم اُن کا کچھ بھی نہیں کرسکو گے۔ صحابہؓ نے فرمایا کہ: کیا ہم اُس وقت اقلیت میں ہوں گے؟ حضورؐ نے فرمایا: نہیں! تم اُس زمانے میں اس خطے میں اکثریت میں ہوگے۔ صحابہؓ نے حیران ہوکر پوچھا کہ پھر بھی؟ حضورؐ نے فرمایا کہ: ہاں! تمھارے اندر ''وہن'' کا مرض پیدا ہوجائے گا۔ صحابہؓ نے پوچھا کہ یہ وہن کیا ہے؟ حضورؐ نے فرمایا کہ: حُبُّ الدُّنیا وَ کَرَاھِیَۃُ الْمَوْتِ یعنی دنیا کی محبت اور موت کو ناپسند سمجھنا۔ جب یہ دو مرض تمھارے اندر پیدا ہوجائیں گے تو زوال آجائے گا۔ آج تمام تر وسائل کے باوجود مسلمان ممالک کے زوال پذیر ہونے کا سبب کم ہمتی، بزدلی، کمزوری، خواہشات اور تمناؤں کے پیچھے دوڑنا، ذاتی، گروہی اور طبقاتی مفادات کے لیے لڑنا اور دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے موت سے گھبرانا ہے۔''

www.rahimia.org

بچوں کا کالم

خواجہ عبدالحئی فاروقیؒ (تلمیذِ خاص مولانا عبیداللہ سندھیؒ)

وقت کی پابندی

سب سے بڑی قیمتی چیز وقت ہے۔ آپ نے اپنی کتابوں میں پڑھا ہوگا: ''گیا وقت پھر ہاتھ نہیں آتا'' اور بزرگوں سے سنا ہوگا: ''اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔'' اگر آپ وقت کے پابند بن جائیں تو سب کام درست ہو جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ وقت کی پابندی کی بابت فرماتے ہیں:

اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ۝ (103:4)

(بے شک مسلمانوں پر نماز وقت کی پابندی کے ساتھ فرض ہے۔)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس کی بڑی تاکید فرماتے تھے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ: ''میں نے آپؐ سے پوچھا کہ اللہ کو تمام کاموں میں سے کون سا کام سب سے زیادہ پسند ہے؟ آپؐ نے فرمایا:

''الصّلوٰة علیٰ وقتها.'' (بخاری)

(وقت پر نماز پڑھنا۔)

حضرت ابوذر غفاریؓ کہتے ہیں کہ: آں حضرتؐ نے مجھ سے پوچھا کہ ''اُس وقت تم کیا کرو گے، جب تمھارے مسلمان حاکم نمازوں کو فنا کر دیں گے؟'' یعنی ٹھیک وقت پر نہیں پڑھیں گے، بلکہ دیر کر کے پڑھیں گے۔ میں نے کہا: پھر کیا حکم ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ''صلّ الصّلوٰة لوقتها.'' (مسلم) (تم اپنے وقت پر نماز پڑھ لیا کرو۔)

حضرت علیؓ سے آپؐ نے فرمایا: ''ان تین باتوں میں ہرگز دیر نہ کرنا: ''اَلصَّلٰوةُ إِذَا أَتَتْ، وَ الْجَنَازَةُ إِذَا حَضَرَتْ، و الأَيِمُ إِذَا وَجَدْتَ لَهَا كُفُواً.''

(۱۔ نماز، جب اس کا وقت آجائے۔ ۲۔ جنازہ، جب سامنے موجود ہو۔

۳۔ اور غیر شادی شدہ کو جب خاوند اس کے مناسب مل جائے۔)

اسلام کی تعلیم نے مسلمانوں میں وقت کی پابندی کی ایسی عادت پیدا کر دی تھی کہ دوسری قوموں کے مقابلے میں وہ اسے اپنی خاص چیز سمجھتے تھے اور ایک لمحے کے لیے بھی اسے چھوڑنے کو تیار نہ تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ عام طور پر حجاج بن یوسف کے ساتھ نماز ادا کیا کرتے تھے، مگر جب انھوں نے دیکھا کہ اس نے دیر سے نماز پڑھنی شروع کر دی ہے تو انھوں نے اس کے ساتھ نماز پڑھنی چھوڑ دی اور مکہ سے چلے گئے۔

خندق کی لڑائی میں حضرت عمرؓ وقت پر عصر کی نماز نہ پڑھ سکے، یہاں تک کہ اس کا وقت نکل گیا۔ آپؓ کو اس کا بہت غم ہوا۔ کفار کو بُرا بھلا کہنے لگے اور رسولِ پاکؐ سے آ کر شکایت کی۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ: میں ایک روز بازار میں تھا، اتنے میں نماز کا وقت آ گیا۔ صحابہؓ نے اپنی دوکانیں بند کیں اور سیدھے مسجد کو چلے گئے۔

عباراتِ اکابر — مولانا مفتی عبدالقدیر، چشتیاں

علم الاخلاق تاریخ کے آئینے میں

علم الاخلاق مذہب اور عقل دونوں کی نگاہ میں محمود و محبوب شئے ہے۔ اس لیے قدیم و جدید ہر زمانے میں اس سے متعلق علمی ذخیرے کی کبھی کمی نہیں رہی۔ دنیا نے اَخلاق کا نام سب سے پہلے مذہب کی زبان سے سنا...

ایک پیغمبر حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم کے سامنے اَخلاق کا درس دیتے نظر آتے ہیں اور نسل انسانی کے باپ حضرت آدم علیہ السلام کے بعد یہی وہ پہلے رسول ہیں، جن کی تبلیغ و تعلیم کو تاریخ نے اپنے اوراق میں جگہ دی ہے۔

اس دور کے بعد یونان وہ خطہ ہے، جس نے اس علم کی خدمت کی اور اس کی روح کو فلسفے کے قالب میں ڈھال کر پیش کیا۔ یونان میں اس خدمت کا اوّلین شرف سوفسطائیوں کو حاصل ہوا۔ ان کے بعد سقراط نے اس کے مباحث کو وسعت دی اور اس میں چار چاند لگائے۔ یہاں تک کہ ارسطو نے اس کو ایک مہذب و مدوّن علم بنایا۔ اس کی مشہور و معروف کتاب ''علم الاخلاق'' اس کا بیّن ثبوت ہے۔

فلاسفہ یونان کے بعد عیسائیت اور اسلام نے اس کی اساس کو وحیٔ الٰہی کے احکام پر استوار کیا اور اس کے دنیاوی اور نفسیاتی افادات کے سلسلے کو ابدی و سرمدی فلاح کے سلسلۃ الذہب سے ملا دیا اور اس طرح اس نے روحانی رشتے سے اپنی برتری کا اعتراف کروایا۔ اس کے بعد اسلام کا وہ علمی دور آیا، جس میں خلافتِ بغداد اور خلافتِ قرطبہ کے زیرِ سایہ دنیا کے تمام علوم و فنون نے صدیوں تک تربیت پائی اور عروج و ترقی کی تمام منازل طے کیں۔ علوم و فنون کی اس فراوانی کے دور میں بعض علما کو عقل و نقل کی مطابقت کا شوق پیدا ہوا اور انھوں نے دوسرے علوم کی طرح علم الاخلاق کو بھی اسی نگاہ سے پرکھا۔ علما کی یہ جماعت اپنے اپنے نقطۂ نظر کے لحاظ سے دو جدا حلقوں میں تقسیم ہوگئی: ایک نے عقل کو اَساس بنایا اور مذہبی اَحکام کو اس پر منطبق کرنے کی سعی کی اور مذہب کے سیم و زر کو یونانی فلسفے کے سانچے میں ڈھالنے کا ارادہ کیا۔ یہ فلاسفہ کی جماعت کہلائی۔ اس کے رہنما فارابی، ابن مسکویہ، ابن سینا اور ایک حد تک ابن رُشد وغیرہ ہیں۔

دوسری جماعت نے مذہبی اَخلاقی مسائل کو بنیاد قرار دیا اور عقل کو ان کے سمجھنے کے لیے آلہ کی حیثیت سے استعمال کیا۔ یہ زاہدانِ پاکباز کی وہ جماعت تھی، جو صوفیا کے نام سے مشہور ہوئی۔ اس طریق کے ہادی شیخ سہروردیؒ، امام غزالیؒ، شیخ اکبرؒ، عارف رومیؒ، ابن قیمؒ، مجدد سرہندیؒ اور امام الائمہ شاہ ولی اللہ دہلویؒ وغیرہ ہیں۔

غرض نظریوں کے اس اختلاف کے باوجود ان تمام اَدوار و طبقات میں علم الاخلاق کی خدمت کا سلسلہ جاری رہا اور تالیف و تصنیف، تقریر و تحریر کے ذریعے یہ گراں بہا ذخیرہ ہمیشہ منصۂ شہود پر آتا رہا۔

(ماخوذ: اَخلاق و فلسفہ اخلاق، از مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ)

www.rahimia.org

وسیم اعجاز، کراچی

ابوالفیض حضرت شاہ عبدالرحیم دہلویؒ

ولی اللّٰہی جماعت نے جس مربوط اور عالم گیر فکر و نظریات سے اہل اسلام کو متعارف کرایا، اس نظریہ و فکر کے بانیٔ اوّل ہونے کا اعزاز بلاشبہ حضرت شاہ عبدالرحیم دہلویؒ کو حاصل ہے۔ ان کی ولادت ۱۰۵۴ھ/ 1644ء میں ہوئی۔ اس وقت مغل بادشاہ شاہ جہان ہندوستان کی سلطنت کا حاکم تھا۔ ان کے والدِ گرامی کا نام شیخ وجیہ الدینؒ تھا، جن کا سلسلۂ نسب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔ شاہ عبدالرحیم دہلویؒ نے سلطان محی الدین عالمگیر بادشاہ کے دور میں دہلی اور آگرہ میں جمع ہونے والے بڑے بڑے اکابرین سے علوم و معارف، اَخلاق اور حکمت کی تعلیم حاصل کی۔ شاہ عبدالرحیم دہلویؒ کے اساتذہ میں ان کے بڑے بھائی شیخ ابورضا دہلویؒ، شیخ عبداللہ بن محمد باقی باللہؒ، میر زاہد اکبرآبادیؒ، خلیفہ ابوالقاسم اکبرآبادیؒ، سید عظمت اللہ اکبرآبادیؒ اور امیر نورالعلا اکبرآبادیؒ شامل ہیں۔ ابتدائی تعلیم کا زمانہ اکبرآباد یعنی آگرہ میں گزرا۔

حضرت شاہ عبدالرحیم دہلویؒ علم و فضل میں بڑی فوقیت رکھتے تھے اور مشائخ دہلی میں سے بڑے مرتبے والے تھے۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ: ''اس نیل گوں آسمان کے نیچے شیخ عبدالرحیمؒ سے زیادہ فنِ حدیث کا ماہر اور عالم ان کے عہد میں کوئی نہ تھا۔'' انھوں نے دہلی میں مدرسہ رحیمیہ کی بنیاد رکھی، جہاں علمِ حدیث کی تعلیم کا آغاز ہوا۔ ان کے بعد ان کے صاحبزادے امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے زمانے میں اس مدرسے کے تعلیمی معیار کے اعتبار سے مقبولیت میں بے پناہ اضافہ ہوا۔

شاہ عبدالرحیم دہلویؒ علمِ فقہ پر بھی گہری دسترس رکھتے تھے۔ فتاویٰ عالمگیری کے سلسلے میں بھی انھوں نے خدمات سرانجام دیں۔ وہ فتاویٰ عالمگیری کے مرتبین کی جماعت میں باقاعدہ طور پر تو شامل نہ تھے، لیکن اس کی ترتیب و تدوین کے بعد اس پر نظرِ ثانی میں ان کا کردار ہے۔ پھر چند وجوہات کی بنیاد پر اس کام سے علاحدہ ہوگئے۔

فکری ابتری کے اس دور میں جب معاشرے میں نئے سماجی اور معاشرتی تقاضے پیدا ہو رہے تھے، شاہ عبدالرحیم دہلویؒ نے اس بات پر خاص طور پر زور دیا کہ قرآنِ حکیم کی تعلیمات میں غور و فکر کیا جائے۔ انھوں نے محض نظری بحثوں میں اُلجھے رہنے کے بجائے سماج کے عملی تقاضوں کی تکمیل کی حکمتِ عملی اختیار کی۔ اس طرح قرآنِ حکیم کی تعلیم کا تجدیدی طریقہ کار متعارف کرایا۔ اس مقصد کے لیے انھوں نے امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کو قرآن فہمی کے اصولوں کی تعلیم دی، جسے بعد میں شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اپنی کتاب ''الفوز الکبیر فی اصول التفسیر'' میں بیان فرمایا۔ اُن کا یہی اندازِ فکر تھا کہ ولی اللّٰہی خانوادے نے قرآن فہمی میں بعد میں بہت بلند کردار ادا کیا۔

شاہ عبدالرحیم دہلویؒ نے اس بات پر بھی زور دیا کہ علومِ دین اور تصوف کا کام کوئی الگ الگ نہیں، بلکہ ایک جیسے ہی معاشرتی نتائج پیدا کرتا ہے۔ ان کی تعلیمات کے مطابق ذکرِ الٰہی میں مشغول رہنے اور پرہیزگاری اختیار کرنے کے ساتھ ساتھ بلاتفریق تمام انسانوں کو نفع پہنچانے کا کام بھی لازمی ہے۔

شاہ عبدالرحیم دہلویؒ کا ایک کمال یہ بھی تھا کہ انھوں نے حکمتِ عملی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے درمیان مطابقت کا کام کیا۔ وہ حکمتِ عملی (Strategy) کے بڑے ماہر خیال کیے جاتے تھے۔ حکمتِ عملی کے فن کو سکھانے اور عملی مہارت پیدا کرنے کے اصول و نظریات متعین کیے اور ان کی تعلیم دی۔ اسی طرح نظامِ حکومت سے متعلق اہم عملی امور کی بھی تعلیم دیتے رہے۔ انھوں نے امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی تعلیم و تربیت پر خاص توجہ دی اور انھی مندرجہ بالا امور پر تربیت کا اہتمام کیا۔ یہی وجہ ہے کہ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اپنے گردوپیش کا انتہائی گہرائی سے تجزیہ کیا اور معروضی حالات کے تناظر میں زوال سے نکلنے اور انسانی ارتقا کے اصول و نظریات کو نہ صرف مدوّن کیا، بلکہ مستقل بنیادوں پر جماعت سازی کا اہتمام بھی کیا۔ امام شاہ ولی اللہؒ نے شاہ عبدالرحیمؒ کے تمام کمالات اپنی کتاب ''اَنفاس العارفین'' میں بڑی تفصیل سے بیان فرما دیے ہیں۔

شاہ عبدالرحیم دہلویؒ نے تصنیف و تالیف کی جانب زیادہ توجہ نہیں فرمائی، بلکہ ان کا مشغلہ درس و تدریس، تعلیم و تربیت اور تزکیۂ نفوس کا تھا۔ البتہ ان کے خطوط کا ایک مجموعہ ''اَنفاسِ رحیمیہ'' ہے، جسے ان کے دوسرے صاحبزادے حضرت شاہ اہل اللہؒ نے جمع کیا۔ اس کے علاوہ فنِ سلوک پر ایک رسالہ ''ارشادِ رحیمیہ'' ہے۔ کبھی کبھار شعر بھی کہتے تھے۔ شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی کتاب ''اَنفاس العارفین'' میں ان کی دو رُباعیاں درج ہیں۔

شاہ عبدالرحیم دہلویؒ کو ہر علم میں مہارت حاصل تھی۔ ان کی طبیعت کسی بھی علم کے حصول کو چھوڑنے پر راضی نہ ہوتی تھی۔ تفسیر، حدیث، فقہ، فلسفہ، منطق اور تدریسی مہارتوں کے ساتھ ساتھ علم طب میں بھی ماہر تھے۔ بلاشبہ انھوں نے اپنی زندگی میں ولی اللّٰہی خانوادے کے لیے وہ بنیادیں فراہم کردیں، جو آج بھی ہمارے لیے مشعلِ راہ ہیں۔ اگلے ادوار میں شاہ ولی اللہؒ اور ان کے اصحاب کا کیا گیا تمام کام جس میں ہمیں انسانی سوسائٹی کے سیاسی، معاشی اور معاشرتی مسائل کو حل کرنے کی رہنمائی ملتی ہے، شاہ عبدالرحیم دہلویؒ کا رہینِ منت ہے۔ تحقیقی حوالے سے ولی اللّٰہی فکر کا بیج انھوں نے ہی بویا۔ شاہ عبدالرحیم دہلویؒ نے جن علوم و معارف کو اجمالاً اپنے درس و تدریس کے سلسلوں میں بیان فرمایا تھا، امام شاہ ولی اللہؒ نے انھی اصول و ضوابط کو تفصیلاً مدوّن فرما دیا۔

انتقال سے کچھ عرصہ پہلے شاہ عبدالرحیمؒ جسمانی طور پر خاصے کمزور ہوگئے تھے۔ زندگی کے آخری لمحات میں اسم ذات کے ذکر میں مشغول تھے۔ ان کا وصال ۱۲ر صفر المظفر ۱۱۳۱ھ/ 4ر جنوری 1719ء بروز بدھ کو 77 سال کی عمر میں ہوا۔ ان کے وصال کے بعد ان کے صاحبزادے امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ 17 سال کی عمر میں مسند نشین ہوئے اور انھوں نے اپنے والدِ بزرگوارؒ کے شروع کیے ہوئے کام کو آگے بڑھایا اور خوب ترقی دی۔

www.rahimia.org

دیوبند اور برطانوی راج کی مزاحمت

تحریر: ڈاکٹر شاہد صدیقی وائس چانسلر علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد
ترجمہ: شاہ زیب خان، لاہور

1857ء کی جنگِ آزادی معاشرے کے مختلف طبقات کو ہندوستان کی بیرونی قوت سے آزادی کے لیے قریب لے آئی۔ بہت سے مذہبی رہنما جو کہ شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے پیروکار تھے، انھوں نے اس آزادی کی جدوجہد میں حصہ لیا۔ مولانا حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے شاملی میں آزادی کی جنگ لڑی۔ ان کے ایک ساتھی حافظ ضامنؒ نے انگریزوں کے خلاف لڑتے ہوئے اپنی جان قربان کی۔ جنگِ آزادی کا خاتمہ بہ ظاہر برطانویوں کی کامیابی کی شکل میں سامنے آیا، جنھوں نے ظالمانہ طریقے سے مجاہدین آزادی کو اپنے برتر ہتھیاروں اور تربیت یافتہ فوج کے ذریعے قتل کیا۔ مجاہدین کا جذبۂ آزادی بہت مضبوط تھا، مگر مرکزی کمان، تربیت اور جدید ہتھیاروں میں کمی تھی۔

1857ء کے بعد کا دور آزادی پسند قوتوں کے لیے بڑا کٹھن تھا۔ ہندوستانیوں کی ایک بہت بڑی تعداد کو قتل کر دیا گیا، جب کہ سینکڑوں گرفتار ہوئے اور سرِعام پھانسیوں پر لٹکا دیا گیا۔ بہت بڑی تعداد میں مجاہدین آزادی کو قید میں ڈال دیا گیا یا جزائرِ انڈیمان بھیج دیا گیا۔ آزادی کی آرزو رکھنے والوں کے لیے یہ بہت تاریک اور حوصلہ شکن دور تھا۔ مزاحمتی آوازوں کو مکمل طور پر دبا دیا گیا اور تب کوئی ایسی گنجائش موجود نہ تھی کہ سیاسی جماعت بنالی جائے یا کھلے عام برطانوی راج کو للکارا جا سکے۔ اس مایوسی اور دل گیری میں، مذہبی رہنماؤں کی جماعت جو 1857ء میں اکٹھی ہوئی، وہ اس اتفاق پر پہنچی کہ راج کے خلاف مزاحمت کی پالیسی پر نظرثانی کی جائے۔ انھوں نے طے کیا کہ ایک تعلیمی ادارہ قائم کیا جائے اور طلبا کی نظریاتی تربیت کی جائے کہ وہ برطانویوں کا مقابلہ کر سکیں۔

چناں چہ جنگِ آزادی کے نو سال بعد دارالعلوم دیوبند، چھتہ مسجد، دیوبند میں 1866ء میں قائم کیا گیا۔ دیوبند کا قصبہ سہارن پور کے جنوب میں دہلی سے تقریباً 90 میل دور ہے۔ حاجی عابد حسین نے لوگوں سے چندہ وصول کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ مولانا محمود دارالعلوم میں پہلے مدرّس کے طور پر 15 روپے ماہوار پر تعینات ہوئے۔ دارالعلوم کے پہلے طالب علم محمود حسن تھے، جن کو بعد میں ''شیخ الہند'' کا خطاب دیا گیا۔ پہلے سال کے اختتام تک طلبا کی تعداد اٹھتر تک پہنچ گئی۔ پہلے صدر مدرّس محمد یعقوب (نانوتوی) تھے، جن کو پچیس روپے ماہوار کے مشاہرے رکھا گیا۔ پہلے منتظم سیّد عابد حسین تھے۔ دارالعلوم کے معاملات باقاعدہ چلانے کے لیے مجلس شوریٰ مقرر کی گئی۔

مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا کردار دارالعلوم میں مرکزی ہے۔ ان کی دور اندیشی نے دارالعلوم دیوبند کے لیے ایک شان دار مستقبل دیکھا۔ انھیں کی تجویز پر ایک زیادہ وسیع علاقے پر عمارت کی تعمیر کی گئی، تاکہ زیادہ طلبا کو رہائش مہیا کی جا سکے۔ نئی عمارت کی تعمیر کا آغاز 1875ء میں ہوا۔

چھتہ مسجد سے سادہ آغاز کے نو سال کے بعد دارالعلوم دیوبند کا امتیاز یہ تھا کہ یہ اپنے اخراجات کے لیے حکومت سے ایک ٹکا نہ لیتے تھے۔ اسی کے ساتھ ساتھ انھوں نے امیر لوگوں سے چندہ لینے سے انکار کیا، تاہم عام لوگوں سے چندہ لینے کی اجازت تھی۔ یہ ایک شعوری فیصلہ تھا، تاکہ دارالعلوم دیوبند کی آزاد پالیسی ہو۔ اس لیے کہ یہ ایک عام مدرسہ نہ تھا اور اس نے انقلابی قوتوں کا مرکز بننا تھا۔ نصاب کو حقیقی دنیا سے جوڑنے کی شعوری کوشش کی گئی۔ فلسفے کو نصاب سے نکالنے کا شعوری فیصلہ کیا گیا، تاکہ اس کو زیادہ عملی بنایا جا سکے۔ نصاب کے علاوہ طریقۂ تدریس نے بھی اہم کردار ادا کیا۔ اساتذہ دینی تعلیم دینے کے ساتھ ساتھ آزادی کا جذبہ بھی طلبا میں پیدا کرتے رہتے۔ گو کہ علی گڑھ اور دارالعلوم دیوبند میں واضح فرق موجود تھے، مگر آپس میں احترام کا رشتہ قائم تھا۔ یہ تجویز دی گئی کہ دارالعلوم کے طلبا علی گڑھ انگریزی پڑھنے جائیں گے اور علی گڑھ کے طلبا دارالعلوم دیوبند عربی سیکھنے آئیں گے، تاہم اس پروگرام کو قائم نہ رکھا جا سکا۔

دارالعلوم دیوبند کی تعلیمات کا فائدہ ہوا اور اس کے بہت سے فارغ التحصیل طلبا نے تحریکِ آزادی میں ایک اہم کردار ادا کیا۔ مولانا محمود حسنؒ، جو کہ وہاں کے پہلے طالب علم تھے، انھوں نے تحریکِ آزادی میں کلیدی کردار ادا کیا۔ وہ تحریکِ ریشمی رومال کے خالق کے طور پر جانے جاتے ہیں، جس کا مقصد مختلف ممالک کو آزادیٔ ہند کی حمایت کے لیے اکٹھا کرنا تھا۔ مولانا محمود حسنؒ، مولانا حسین احمد مدنیؒ اور مولانا عزیر گلؒ کو گرفتار کیا گیا اور مالٹا بھیج دیا گیا۔ مالٹا سے آزادی کے بعد مولانا محمود حسنؒ نے جمعیت علمائے ہند کا افتتاح کیا اور اُس کے پہلے صدر منتخب ہوئے، تاکہ آزادی کی جدوجہد کی جا سکے۔ 1926ء میں جمعیت نے ہندوستان کی مکمل آزادی کی بات کی۔ مولانا محمود حسنؒ نے اپنے شاگرد مولانا عبیداللہ سندھیؒ کو مشورہ دیا کہ وہ کابل چلے جائیں۔ چناں چہ وہ وہاں سات سال مقیم رہے اور اہم لوگوں سے ملاقاتیں کیں، تاکہ آزادی کے لیے حمایت اکٹھی کی جا سکے۔ ہندوستان کی ایک پرووِیژنل حکومت کا خاکہ تیار کیا گیا۔

دارالعلوم دیوبند کا تجربہ اہم تھا۔ کیوں کہ اس نے 1857ء کے بعد مایوس مسلمانوں کو امید دی۔ مذہبی رہنماؤں نے یہ فیصلہ کیا کہ براہِ راست جنگ کے لیے حالات سازگار نہیں۔ مزاحمتی طرز کو تبدیل کر دیا گیا اور دارالعلوم دیوبند کی انتظامیہ نے ان لوگوں کو ایک ایسا پلیٹ فارم مہیا کیا، جو اسلام کی تعلیم حاصل کرنا چاہتے تھے۔ تاہم دارالعلوم دیوبند ایک روایتی مدرسہ نہ تھا۔ اسلامی تعلیمات کے علاوہ یہ ایک ایسا فعال ادارہ تھا، جو کہ اپنے طلبا میں آزادی کی محبت راسخ کرتا تھا۔ اس کے ترمیم شدہ درسِ نظامی کے علاوہ، تدریسی نقطۂ نظر سے تعلیم کو سماجی و سیاسی حالات سے جوڑا جاتا تھا۔ اس کے نتیجے کے طور پر دارالعلوم کے طلبا کو نہ صرف مذہبی موضوعات سے آگہی دی جاتی تھی، بلکہ سیاسی شعور کی تربیت بھی دی جاتی تھی۔ اسی وجہ سے اس کے فارغ التحصیل طلبا برطانوی راج سے آزادی کی جدوجہد کے تناظر میں، ہندوستان کے سیاسی منظرنامے پر چھائے رہے۔ یوں دارالعلوم دیوبند نے اجارہ داری ڈھانچوں کے خلاف مزاحمت کی داغ بیل ڈالی۔ اسی حکمتِ عملی کو بعد میں ہندوستان کے قومی رہنماؤں نے استعمال کیا اور تعلیمی اداروں کے ذریعے برطانوی راج کے خلاف مزاحمت کی۔

www.rahimia.org

تاثرات

حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کے نام
حضرت مولانا مجاہد الحسینی کا مکتوبِ گرامی

مخدوم ومحترم حضرت شیخ المشائخ مولانا سعید احمد رائے پوری صاحب زید مجدہٗ

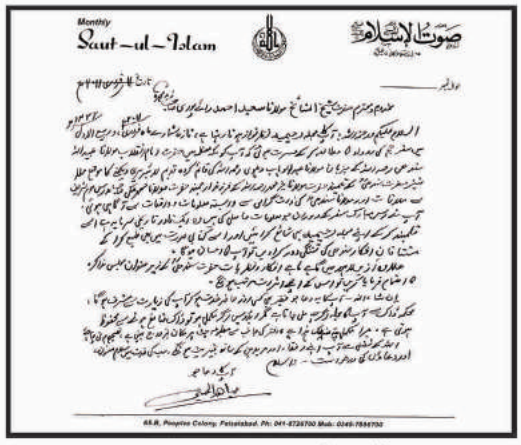

السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

آپ کا مجلّہ ''رحیمیہ'' نظرنواز رہتا ہے۔ تازہ شمارے ماہِ فروری 2011ء و ربیع الاوّل ۱۴۳۲ھ میں سفرِ حج کی روداد کا مطالعہ کرکے مسرت ہوئی کہ آپ کو مکہ معظمہ میں حضرت امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھی رحمہ اللہ کے میزبان مولانا عبدالوہاب دہلوی رحمہ اللہ کی قائم کردہ قدیم لائبریری دیکھنے کا موقع ملا۔ نیز حضرت سندھیؒ کے تلمیذ حضرت مولانا خیرمحمد رحمہ اللہ کے فرزندِ ارجمند حضرت مولانا محمد مکی صاحب مدرّس حرم شریف سے ملاقات اور مولانا سندھیؒ کی ذاتِ گرامی سے وابستہ معلومات و واقعات سے آگاہی ہوئی۔ آپ نے اس مبارک سفر کے دوران جو معلومات حاصل کی ہیں، وہ ایک نادر تاریخی سرمایہ ہے۔ اسے قلم بند کرکے اپنے مجلّہ رحیمیہ بھی شائع کرائیں۔ اور اسے کتابی صورت میں بھی طبع کرا کے مشتاقانِ افکارِ سندھیؒ کی تشنگی دور کرادیں تو آپ کا احسان ہوگا۔ علاوہ ازیں لاہور میں گاہے ماہے افکار ونظریات حضرت سندھیؒ کے زیرِ عنوان مجلس مذاکرہ کا اہتمام فرمایا کریں تو اس کے اثرات مرتب ہوں گے۔

انشاءاللہ! آپ کا یہ دعاجو فقیر بھی کسی روز حاضرِ خدمت ہوکر آپ کی زیارت سے مشرف ہوگا۔ محکمہ ڈاک سے آپ کا مجلّہ اگرچہ مل جاتا ہے، مگر ایڈریس اگر مکمل ہو تو ڈاک ضائع ہونے سے محفوظ ہوتی ہے۔ میرا مکمل پتہ منسلک ہٰذا ہے۔ دفتر کی جانب سے مطبوعہ چٹ پر مکان نمبر درج نہیں ہے۔ تصحیح ہونی چاہیے۔

اللہ کے فضل سے آپ اپنے رفقا اور مریدین کے ساتھ بہ خیریت ہوں گے۔ سب کی خدمت میں سلام مسنون اور دعاؤں کی درخواست۔ والسلام

آپ کا دعاجو مجاہد الحسینی

مدیر: ماہنامہ اردو عربی صوت الاسلام فیصل آباد، پاکستان مؤرخہ 11/فروری 2011ء

رفتارِ کار

رپورٹ: انیس احمد سجاد، لاہور

ڈپٹی گورنر اسٹیٹ بینک کی ادارہ رحیمیہ لاہور آمد

مؤرخہ 6/اکتوبر 2016ء کو اسٹیٹ بینک آف پاکستان کے ڈپٹی گورنر جناب قاضی عبدالمقتدر حضرت اقدس مولانا مفتی شاہ عبدالخالق آزاد رائے پوری مدظلہٗ سے ملاقات کے لیے ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور تشریف لائے۔ محترم قاضی عبدالمقتدر حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کی زندگی میں بھی متعدد مرتبہ ادارہ رحیمیہ لاہور میں تشریف لا چکے ہیں۔ محترم قاضی صاحب نے حضرت آزاد رائے پوری مدظلہٗ سے ملاقات میں حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کے ساتھ ہوئی ملاقاتوں کا تذکرہ کیا۔ اس خطے میں اسلام کے پھیلاؤ کے لیے اولیاؒ کی خدمات کو سراہا۔

قاضی صاحب نے حضرت آزاد رائے پوری مدظلہٗ سے گفتگو کرتے ہوئے اسلامی بینکاری کے نام پر مروّجہ سودی بینکاری نظام کے پھیلاؤ پر انتہائی گہری تشویش کا اظہار کیا۔ اور خاص طور پر مذہبی طبقے کی جانب سے مروّج اسلامی بینکاری نظام کو درست طور پر نہ سمجھنے اور اپنی طبعی سادہ لوحی کی بنا پر اسے اپنا کندھا پیش کرکے ''حیلوں'' کی بنیاد پر جس جال میں دین سے محبت رکھنے والی عوام کو پھانسا جارہا ہے، اُس پر گہرے صدمے اور دُکھ کا اظہار کیا۔ اور اس جال کو بُننے والی سرخیل شخصیات اور اُن کے تربیتی کورسز کے احوال اور ناقص کارکردگی سے حضرت آزاد رائے پوری مدظلہٗ کو آگاہ کیا اور حضرت آزاد رائے پوری مدظلہٗ سے دعا کی گزارش کی کہ اللہ ہمیں آج سودی بینکاری کو اسلامائزیشن کے نام پر جس دجل اور فریب کو فروغ دیا جارہا ہے، اُس سے بچنے اور بچانے کی توفیق عطا فرمائے۔

حضرت اقدس مولانا مفتی شاہ عبدالخالق آزاد رائے پوری مدظلہٗ پچھلے دنوں کراچی کے خانقاہی دورے پر تشریف لے گئے تھے۔ محترم قاضی عبدالمقتدر صاحب کراچی میں بھی حضرت آزاد رائے پوری مدظلہٗ کو ملنے کے لیے تشریف لائے اور ''نام نہاد اسلامی بینکاری'' کے خلاف اپنے کام کرنے کے عزم کو دہرایا۔

(بقیہ: ملکی معیشت) چناں چہ ہر حکومت کے آخری سالوں میں ایسی سکیمیں مخالفت کے باوجود منظرِ عام پر آجاتی ہیں، جن میں کالے دھن کو سفید کرنے کے بھرپور مواقع دے دیے جاتے ہیں۔ یوں تو ملک عزیز میں کالا دھن سفید کرنے کے کئی اور طریقے بھی ہیں، لیکن عام عوام نے انھیں استعمال کرکے عام اور کم اہم بنا دیا ہے۔ اب نئے جال کی ضرورت ہے۔ چناں چہ حالیہ دنوں میں پراپرٹی کی خرید پر کالے دھن کو سفید کرنے کی سکیم کا اعلان کردیا گیا ہے اور ہمیشہ کی طرح وہی ہوگا کہ بڑی تعداد میں لوگ ''حق حلال'' طریقوں سے ''کالا دھن'' کماتے رہیں گے اور اس سکیم سے فائدہ نہیں اُٹھائیں گے اور دوسری جانب مقتدرہ اور ان کے طفیلیئے اپنا کالا دھن ''سفید'' کروا کر سینہ چوڑا کرکے اُصول پسندی کی زندگی گزارنے کی سہولت سے فائدہ اُٹھاتے رہیں گے۔

www.rahimia.org

Monthly RAHIMIA Lahore CPL No. 59

فکرِ سعید — اَخذ و ترتیب: حافظ محمد شفیق، لاہور

نظریہ، ماحول اور نظام

(افادات: حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ)

☆ ہمیں سمجھ لینا چاہیے کہ حضرت امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے فکر کو تنظیمی طاقت کی صورت میں عمل کے ذریعے ہی دوسروں کے سامنے پیش کیا جا سکتا ہے۔ آج یہ فکر عمل کے اعتبار سے ختم ہوتا جا رہا ہے، لہٰذا ہم اس کا احیا چاہتے ہیں۔ ہماری کوئی نئی تحریک نہیں، بلکہ "کونوا مع الصّادقین" (القرآن) کے حکم پر عمل کرنا چاہتے ہیں کہ صاحبِ بصیرت اور سچے لوگوں کے ساتھ ہمارا شمار ہو جائے۔ فکر وہی بنیادی ہے، جو آج سے چودہ سو برس قبل تھا، لیکن حالات کی تبدیلی کے ساتھ جدید تیاری کی ضرورت ہے۔ جیسا کہ سفرِ حج کے لیے قرونِ اولیٰ میں پیدل یا اونٹ استعمال کیے جاتے تھے اور آج بحری یا ہوائی جہاز استعمال میں آتے ہیں۔ تنگ نظر ذہن منزل کو طے کرنے کے لیے قدیم دور کی طرف لوٹے گا تو اسے عمرِ نوح درکار ہوگی۔ لہٰذا ہم نے حالات کی تبدیلی کے ساتھ ذہن کو جدید علوم و فنون کے ساتھ لیس کر کے استعمال کرنا ہے، تاکہ منزل تک پہنچنے کے لیے عصرِ حاضر سے مطابقت اور ہم آہنگی پیدا ہو سکے۔ اور اگر ہم نے جدید دور اور اس کے تقاضوں کو نہ سمجھا اور حصولِ منزل کے لیے نئے ذرائع اختیار نہ کیے تو اخلاص اور محنت کے باوجود کامیابی نہ ہوگی۔ اور یہی حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ کا فکر ہے۔

☆ ہمیں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو سامنے رکھنا ہے۔ آپؐ نے صبر و برداشت کے ساتھ مرکز (خانہ کعبہ) پر کفار اور ظالم قوتوں کے قبضے کے ہوتے ہوئے ماحول بنایا اور نظریہ سازی کے ذریعے ذہن کو بدلا اور ہدایت کے عظیم مرکز پر تسلط و تغلب کو خاطر میں لائے بغیر نوجوان نسل میں اپنے جامع پروگرام کا تعارف پیدا کرنے کے لیے محنت شروع کی اور یہی حکمت ہے۔ لہٰذا ہمارا راستہ حوصلے اور صبر کا ہے، مجمعے لگانے کا نہیں۔ اگر ہم فضا کے ساتھ، یعنی ملک میں بنائی گئی عام مذہبی روش پر چلیں، فرقہ واریت کی بات کریں اور جذبات کو مشتعل کریں تو مجمعے لگ جائیں گے، بڑے بڑے اشتہارات چسپاں ہو جائیں گے، عام مقبولیت میں اضافہ ہو جائے گا، مانگ بڑھ جائے گی، حتیٰ کہ کئی مہینوں کی تاریخیں بک ہو جائیں گی اور قیمت بھی زیادہ ہو جائے گی؟!

☆ جب نظامِ ظلم اور خواہشات کے مطابق موجود فضا کے خلاف شعور دیا جائے گا تو مخالف قوتیں حرکت میں آ جائیں گی۔ جھوٹ اور پروپیگنڈے کے ذریعے سے ماحول میں نامقبول اور نامانوس کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ ذرائع ابلاغ سے ہمارے فکر و نظریہ کو بدنام کر کے راستے سے ہٹا دیا جائے گا۔ درحقیقت پروگرام کو سمجھے بغیر بڑے کہلانے والے خواہشات کے تابع ہوتے ہیں اور صحیح فکر رکھنے والے "چھوٹوں" سے کہا جاتا ہے کہ تم بڑوں کی بات نہیں مانتے! (طبع شدہ: عزم سیریز نمبر 48۔ اکتوبر نومبر 1982ء)

دینی مسائل

اس صفحے پر قارئین کے سوالات کے جوابات دیے جاتے ہیں!

از حضرت مفتی عبدالقدیر — شعبۂ دارالافتا ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

سوال کیا فرماتے ہیں مفتیانِ دین مندرجہ ذیل مسئلے کے بارے میں؟ زید، عمر اور بکر تین بھائی ہیں، جن کا کاروبار مشترک ہے۔ اور ہر ایک کے پاس ایک ایک ٹرک ہے اور مال دار ہیں۔ سب کی نرینہ اور زنانہ اولاد بھی ہے۔ جب کہ زید کا ایک بیٹا ہے، جو بیرونِ ملک جانا یا یورپ تعلیم حاصل کرنے کے لیے جانا چاہتا ہے۔ اور والد (یعنی زید) کا مالِ مشترک میں اتنا حصہ نہیں ہے کہ وہ اپنے بیٹے پر خرچ کر سکے۔ جب کہ بیرونِ ملک جانے پر زید کے بیٹے کا 30 لاکھ سے 40 لاکھ تک کا خرچ آتا ہے۔ تو کیا ایسے میں سعید، جو غیر رشتہ دار ہے، وہ زید کے بیٹے کو باہر جانے اور تعلیم حاصل کرنے کے لیے زکوٰۃ دے سکتا ہے؟

سائل: محمد نعمان ولد محمد امین، کراچی

جواب صورتِ مسئلہ میں زید کا بیٹا اگر نصابِ زکوٰۃ رقم یا اُس کی قیمت کی جائیداد وغیرہ کا مالک نہیں، وہ اپنی تعلیم کے لیے زکوٰۃ لے کر بیرونِ ملک جا سکتا ہے۔ البتہ دُنیوی تعلیم میں نیت خدمتِ انسانیت اور رضائے الٰہی کی ہو۔ واللہ اعلم۔

سوال فرضوں کی نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کا جو مروّج سلسلہ ہے، اس کا حدیثِ مبارکہ میں کوئی ثبوت ہے یا نہیں؟ اگر ثبوت ہے تو حوالہ کتاب کے ساتھ عنایت فرمائیں۔

سائل: محمد حذیفہ، چشتیاں

جواب احادیثِ مبارکہ و تعاملِ اہل سنت والجماعت سے فرضوں کی نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا ثابت ہے۔ اس پر مفتی اعظم (پاک و ہند) حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ کا رسالہ "النفائس المرغوبہ فی الدعاء بعد الصلوٰۃ المکتوبہ" لائقِ مطالعہ ہے۔ یہ رسالہ کفایت المفتی میں بھی درج ہے۔ نیز اس کے علاوہ امیر المؤمنین حضرت عبداللہ بن مبارک نے اپنی تالیف معروف کتاب الزہد کتاب الرقائق میں درج ذیل صریح حدیث نقل فرمائی ہے، جس کا ترجمہ یہ ہے: حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ ہمیں عبدالعزیز رواد نے خبر دی، انھوں نے کہا: مجھے علقمہ بن مرثد اور اسماعیل بن اُمیہ نے خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز سے فارغ ہوتے تو اپنے ہاتھوں کو اٹھاتے اور اُن کو ملا کر کے یہ دعا مانگتے: اے میرے پروردگار! میری وہ خطائیں بخش دے، جو پہلے اور بعد میں ہو چکیں۔ اور جو خفیہ کیں، جو اعلانیہ کیں۔ اور جو زیادتی سرزد ہوئی۔ اور تمام وہ خطائیں جو آپ مجھ سے زیادہ جانتے ہیں۔ تو ہی آگے بڑھانے والا ہے۔ تو ہی پیچھے ہٹانے والا ہے۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تیرے لیے بادشاہی ہے اور تیرے لیے ہی سب تعریف ہے۔" (کتاب الزہد، حدیث نمبر 1154، ص 331، جز تاسع، طبع: مکتبہ علمیہ، بیروت)

لہٰذا یہ مسنون عمل ہے۔ اس کے مسنون ہونے میں شک یا تردّد مناسب نہیں ہے۔

مدیر اعلیٰ مفتی عبدالخالق آزاد طابع و ناشر نے اے۔ جے پرنٹرز 28/A نسبت روڈ لاہور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ "رحیمیہ" رحیمیہ ہاؤس 33/A کوئینز روڈ لاہور سے جاری کیا۔